© rasailojaraid.com

نظریۂ موت اور قرآن

از مولانا سید ابوالنظر رضوی

(۳)

اس خواب سے جہاں یہ چیز معلوم ہوتی ہے کہ ایک واقعہ پیدا ہونے سے پہلے ہی کائنات پر اپنے نقوش ثبت کر دیتا ہے وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف واقعہ ہی منقش ہوتا ہے بلکہ اس کے نفسیاتی اثرات و نتائج بھی وجود سے پیشتر منقش ہو جاتے ہیں۔ اگر عمل کوئی مستقل طاقت نہیں تو ان سب حقائق کی کیا تاویل کی جائے گی جو عمل کے وجود سے پیشتر نہ صرف اپنا عکس بلکہ اپنے رنج و مسرت کا اثر بھی سربستہ پارہ میں ودیعت کر سکتا ہو اس کو اپنے نزدیک گہوارۂ عدم کے سپرد کر کے یہ تصور کر لینا کہ خلود و ابدیت کا کوئی امکان اس میں زندہ نہیں رہا عقل و ہوش سے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔

آپ کو تعجب ہوگا کہ میں نے ایک بیداری کا خواب بھی اس ہی نوع کا دیکھا ہے سنہ ۱۹۴۷ء میں ایک روز عصر کی نماز باجماعت پڑھ رہا تھا۔ امام میرے وہ ماموں صاحب مرحوم تھے جنھوں نے والدین کے انتقال پر میری تمام جائداد اور میری تمام تعلیم و تربیت کا انتظام سالہا سال سے اپنے ذمے رکھا تھا اور انتہائی خلوص و ایثار کے ساتھ۔ نماز کے ہی درمیان میرے دل و دماغ میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر ماموں صاحب کا انتقال ہو جائے اگر یہ جنازہ پر لیٹے ہوں اور اس طرح کہ پاؤں کا انگوٹھا کفن یا چادر سے باہر ہو تو مجھے کتنا رنج ہوگا۔ یہ بیداری کا خواب نماز کے بعد بھی مکان کے دروازہ پر پہنچنے تک رہا پھر ایک دم چونک پڑا اور ایسے وہم و خیال پر خود کو نفرین کرنے لگا لیکن جب اس ہی رات کو چار بجے مجھے یہ بتانے کے لیے اٹھایا گیا کہ تمہارے ماموں پر فالج گرا ہے اور آواز بند ہو گئی ہے تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجھے فوراً بیداری کا خواب یاد آیا اور علاج سے کامیابی کی توقع جاتی رہی۔ علاج کیا اور ہر قسم کا۔ مگر وہی ہوا جس کے لئے کائنات کا قانون فیصلہ کر چکا تھا حتی کہ نزع کے بعد جب ان کے سروپا پر چادر ڈالی گئی تو وہی دایاں پائوں کھلا رہ گیا جسے بیداری کے خواب میں دیکھ چکا تھا۔

میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ کیا ہے؟ کیا یہ تمام حقائق اس قابل ہیں کہ ان کو یوں ہی ٹھکرا دیا جائے اور کوئی سبق حاصل نہ کیا جائے۔ الارم پیس کی گھنٹی بجنے سے ایک منٹ پہلے بیدار ہو جانے کی توجیہ قوت متخیلہ کی بعض استعدادات کے تحت کی جا سکتی ہے لیکن مذکورہ بالا حقائق کی کیا تاویل ہو سکتی ہے۔ کوئی واقعہ پیش آنے سے پہلے اور پیش آنے کے بعد جبکہ ہمیں کوئی خبر نہ ہو خواب میں اس واقعہ کی بالکل صحیح تصویر دیکھ لینا جیسا کہ میرے ماموں صاحب مرحوم کا ایک واقعہ پیش آیا تھا کیا اس بات کی دلیل نہیں کہ کسی واقعہ کی جو تصویر فضا کی کہربائی لہروں میں جذب ہوتی ہے وہ اتنی کثیف نہیں رہتی جسے ہماری آنکھیں یا نازک آلات ہی محسوس کر سکتے ہوں بلکہ اتنی لطیف ہو جاتی ہے کہ فضائی لہروں سے قوت متخیلہ میں منعکس ہو سکے۔

کیا ہم اس محسوس حقیقت سے معمولی بلند پروازی کے بعد یہ کہنے کا کوئی حق نہیں رکھتے کہ یہی تمام تصاویر اور اعمال و حرکات کے انعکاسات ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے عالم برتر[1] میں بھی

---

[1] ہو سکتا ہے کہ وہ عالم برتر برق کی لطیف ترین قوت کے عنصر سے ہی تیار کیا گیا ہو۔ کیونکہ عالم مثال کو جس طرح قوتِ متخیلہ اور حافظہ سے ایک گونہ مشابہت ہے حالانکہ قوت حافظہ ایک ایسی چیز ہے کہ امریکہ کے سائنس داں برقی ٹوپ اڑھا کر برقی لہروں سے چند لمحات میں کئی گنا بڑھا سکتے ہیں۔ ایسے ہی تصاویر اعمال کو محفوظ رکھنے والا عالم بھی اگر فضا کی برقی قوت سے مشابہت اور مشاکلت رکھتا ہو تو کوئی انوکھی بات نہ ہوگی۔ اگر آفتاب کی شعاعوں کا ارتقاء کرتے ہوئے لطیف سے لطیف تر، غیر محسوس اور نیز قوی تر ہوتے جانا کسی حد تک بنفشی اور ورائے بنفشی شعاعوں کی تحقیق سے مشاہدہ میں آتا جا رہا ہے حتی کہ ریڈیو کی شعاعیں قوی ترین ثابت ہو چکی ہیں تو کیا برقی قوت لطیف سے لطیف تر ہوتے ہوئے اپنی استعدادات میں قوی ترین نہیں ہو سکتی۔ کیا سائنس نہیں بتاتی کہ جو کائنات کی ہر وہ حقیقت جو لطیف سے لطیف تر ہوگی کثیف سے قوی تر ہوگی۔ قوت لطافت کا نتیجہ ہے اس لئے لطیف و مجرد حقائق و عوالم کا اپنی تمام استعدادات میں قوی تر ہوتے جانا خود ایک قانون قدرت ہے جسے ٹھکرایا نہیں جا سکتا۔ (باقی صفحہ ۳۲۷ پر ملاحظہ ہو)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تصورات حافظہ کی طرح تہ بہ تہ ہوکر جذب ہوجاتے ہیں اور اس ہی طرح قائم ہوجاتے ہیں جیسے صوتی تموجات فونوگراف یا ریڈیو اور ٹیلی وژن کی شعاعوں میں۔ نہ تموجات بظاہر کسی مصالحہ یا برقی لہروں میں باقی رہ جانے والے ہوسکتے ہیں۔ نہ اعمال کی تصویریں۔ لیکن جب ایک چیز کا مشاہدہ ہے تو دوسری اس ہی جیسی چیز کا امکان کیوں فرض نہیں کیا جاسکتا۔ نہ صرف یہ کہ وہ تصاویر عالم مثال کے آئینہ میں نقش کالحجر ہی ہوجاتی ہیں بلکہ تنویرات مجردہ کی شعاعیں ان کا فلم اس ہی طرح دکھا سکتی ہیں جیسے کہ سنیما کا کوئی فلم برقی شعاعیں اور اس ہی طرح آپ ان سے لذت والم کا احساس کرسکتے ہیں جس طرح ایک غمناک (ٹریجڈی) یا تفریحی (کامڈی) فلم سے محسوس کرتے حتیٰ کہ بے تابانہ رونے یا ہنسنے لگتے ہیں لیکن صرف اتنا فرق ہوگا کہ وہ ڈرامہ آپ ہی کی بدبختی یا کامرانی کا ڈرامہ ہوگا اور نہ صرف یہ کہ فلم کی طرح غیر حقیقی نہ ہوگا جیسا کہ حضرت محترم سید سلیمان ندوی نے سیرۃ النبی میں عکس اور ظل سے تعبیر کرتے ہوئے ظاہر فرمایا ہے بلکہ خود آپ کی ہستی سے بھی زیادہ حقیقی۔

میں نے ایک دوست سے سنا تھا کہ آبِ رواں کی موجیں سائنٹفک تحقیقات میں غیر فانی ثابت ہوئی ہیں مگر یقین اس وقت آیا جب مشاہدہ نے بتادیا کہ مختلف سمت کی موجیں بغیر ایک دوسرے سے متصادم ہوئے اور ان کے نشیب و فراز کو زیر و زبر کئے دور تک گذر سکتی ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ سمندر کی ہر کشتی جو نقوش بتاتے ہوئے گذرتی ہے وہ میرے مشاہدہ کے مطابق بھی آدھ آدھ گھنٹہ تک بجنسہ باقی رہتے ہیں حالانکہ دوسرے ہی لمحہ میں فنا ہوجانا چاہئے تھا۔

جب ہر آواز، ہر تخیل، ہر موج، اور ہر وہ حرکت جو کسی ذرہ کو ایک مرتبہ جنبش دینے کا تصور کرچکی ہے۔ فنا نہیں ہوتی تو نیک و بد اعمال ہی میں ایسی کیا خصوصیت تھی کہ وہ زندہ رہتے ہوئے آپ کی مادی،

(بقیہ حاشیہ ص ۳۲۶) میرا یہ مقصد نہیں کہ حقائق مجردہ حقائق کثیفہ ہی کے جواہر قویہ ہیں اگرچہ یہ ہی چیز زیادہ قرین قیاس ہے اور صوفیاء کے کشف و تحقیق سے قریب تر۔ کیونکہ ایسی چیزوں کے بارے میں ہمیشہ نظریات میں اختلاف ہوجاتا ہے۔ فلاسفہ کی ایک جماعت مسئلہ ارتقاء میں ڈارون کی ہم نوا ہے اور دوسری جماعت کے نزدیک اگرچہ انسان ارتقاء حیوانیت کی آخری کڑی ہے۔ لیکن وہ دیگر حیوانات کے سلسلۂ توالد و تناسل سے علیحدہ مستقل وجود لے کر پیدا ہوا۔ خواہ قانونِ قدرت کے تحت اس کی ابتدائی شکل ایک چھوٹے کیڑے ہی کے مشابہ کیوں نہ ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اخلاقی، اور تخلیقی نتائج کے ذریعہ لذت والم کا باعث نہ ہو سکیں۔

دراصل زندگی کا ہر عمل کتابِ فطرت میں نقش ہو جاتا اور ارتقائی مراحل کے تحت قوی سے قوی تر ہوتے ہوئے عذابِ قبر، عذابِ حشر اور عذابِ جہنم یا شعور جنت کی پاکیزہ لذتوں سے آشنا کرتا رہتا ہے جس کے دوسرے معنی یہ ہی ہو سکتے ہیں کہ وہ زندگی بھی جس نے یہ اعمال پیدا ہوئے تھے فنا نہیں ہوئی۔ ہر عمل کی ابدیت روح کی تجلی اور قانونِ حیات کا ایک جز ہونے کی وجہ سے ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو نہ عمل ابدیت کا مظاہرہ کر سکتا تھا نہ نتیجہ کی تخلیق۔ دنیا نتیجہ کی حقیقت نہیں جانتی وہ جس طرح ہزاروں مصطلحات اور الفاظ بغیر معنی کا کوئی تصور کیے ہوئے استعمال کرتی ہے ایسے ہی نتیجہ کو بھی سمجھتی اور سمجھاتی ہے۔ بہت ہی کم لوگ ہوں گے جنھوں نے اس پر غور کیا ہو کہ جس چیز کو نتیجہ کہا جاتا ہے وہ عمل سے علیحدہ، مختلف اور مستقل حقیقت ہے یا نہیں؟ اگر اختلاف ہے تو کس نوع کا اختلاف ہے اور اگر اشتراک یا اتحاد ہے تو کس نوع کا۔ دراصل عمل اور نتیجہ کی حقیقت ایک ہی ہے نتیجہ عمل کے معنی سے کوئی بیگانگی نہیں رکھتا۔ عمل جب تک اپنی صورتِ نوعیہ پر رہیگا عمل ہے اور جب صورتِ مثالیہ اختیار کر لیگا تو اس کو نتیجہ کہیں گے۔

عمل اور نتیجہ کا باہمی تعلق ساوی اور غیر اختیاری ہے عمل بغیر نتیجہ کے اور نتیجہ بغیر عمل کے ممکن نہیں مگر یہ لزوم ایسا نہیں جیسا کہ آتش اور اس کے دخانی اجزا میں ہے، دخانی اجزا ناریت کا کوئی جز نہیں بلکہ چوب خشک کے اجزا ہیں جو آگ کی قوتِ پرواز کے سایہ میں اڑ رہے ہوں بلکہ اس کی مثال پھل اور ان کے درختوں سے دی جا سکتی ہے نتیجہ کو پھل اس ہی لئے کہتے ہیں کہ دونوں میں بہت زیادہ تشابہ ہے۔ کسی درخت کی جب مخصوص استعدادات اور جواہر کوئی مثالی صورت اختیار کر لیتے ہیں تو ان کو پھل کہا جاتا ہے اور جب تک درخت کی صورتِ نوعیہ قائم رہتی ہے، تو اس کو درخت ہی کہتے ہیں۔ یہ ہی حال عمل اور نتیجہ کا ہے۔ محاورہ میں نتیجہ برآمد ہوا، نتیجہ نکلا بولا جاتا ہے اور معنویت کے لحاظ سے بھی غلط نہیں، کیونکہ اس سے انتزاعی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے جو نتیجہ اور عمل کے درمیان ربط قائم کرتی اور دونوں کی حقیقت کو متحد ثابت کرتی ہے نتیجہ کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

النتیجۃ صورۃ مثالیۃ انتزعت عن العمل وصورتھا النوعیۃ — نتیجہ ایک تمثیلی صورت ہے جو عمل اور اس کی صورت نوعیہ سے نکلی۔

عوام کی زبان حقائق کی ترجمانی کرتی ہے مگر ان کا دل نہیں سلجھتا۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اعمال کے جن نتائج اور صور مثالیہ کو عرفی تعبیرات فرمایا تھا اور مثال و شبح کی نفی کرتے ہوئے اس کی وجہ غالبًا وہ ہی نظریہ ہوگا جس کی طرف اشارہ کرچکا ہوں۔ اگر عوالم اخرویہ کی جزا و سزا اس ہی نوع کی ہو جو عمل و نتیجہ کے درمیان ہم محسوس کرتے ہیں تو اسے نہ خواب و خیال اور مثال و شبح کہا جا سکتا ہے نہ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی زید مجدہ کے الفاظ میں "عکس و ظل" بلکہ وہ ایسے ہی نتائج اعمال ہوں گے جن کا تجربہ زندگی کے ہر لمحہ میں دنیائے انسانیت کو ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہیگا۔ موت سے صرف اتنا خوف کیا جا سکتا ہے جتنا کہ ہم اپنی موجودہ زندگی میں اعمال کے نتائج سے کرتے ہیں نہ کہ اس سے مختلف اور شاید خوفِ مرگ کا فلسفہ اور اصل راز بھی یہ ہی ہو۔ انسان کا ضمیر بہت سی صداقتوں کو محسوس کرتا ہے مگر چونکہ مادی ماحول اور غلط رجحانات اور شعوری تاریکیاں دعوتِ فراموشی دیتی رہتی ہیں اس لئے وہ اصلی نکتہ کو محسوس نہیں کرتا اور دوسری توجیہات و تاویلات سے مغالطہ میں مبتلا ہو کر طمانیتِ قلب کی جنت تک پہنچنا چاہتا ہے حتیٰ کہ زندگی کو اس ہی عالم تک محدود کرکے سمجھتا ہے کہ میں نے اس زہر آلود نشتر کا مرہم تلاش کرلیا جو روح کی بے چینی کا باعث تھا۔ قرآن کا کفار سے یہ مطالبہ

فتمنوا الموت ان کنتم صٰدقین۔ — موت کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو

شاید اس ہی حقیقت سے پردہ اٹھانے کے لئے کیا گیا ہو۔

ایسے نہ معلوم کتنے حقائق ہیں جنھیں آج تک ہماری نگاہیں مس کرسکیں اور نہ ہمارا تخیل وہاں تک پرواز کرسکا۔ اگر قرآن اور اس کے درس حقائق کو ہم علمی وقار دیسکتے تو سائنس کے اکتشافات کہیں سے کہیں پہنچ چکے ہوتے اور ان تمام حقائق مجردہ کے مشاہداتی دلائل سامنے لے آئے ہوتے جن کے وجود اور آیاتِ وجود کا قرآن بار بار دعویٰ کرتا ہے۔ مسلمان اگر عقائد اسلامی پر اذعان و یقین نہیں رکھتے تو اس کا گناہ ہمارے ان علماء کی گردن پر بھی رہیگا جو انفس و آفاق پر فکر و تدبر نہیں کرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو سائنس کی تحقیقات کو اہمیت نہیں دیتے جو نجوم، ہیئت، ہندسہ، آثار تاریخی، کیمسٹری، اور تمام علوم حدیثہ کو مذہبی روح کے لئے زہر آلود نشتر سے زیادہ خوفناک سمجھتے اور چند درسی علوم یا وظائف روحانی ہی پر اکتفا کو جائز خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ دنیا کے عقلی رجحان کا راستہ تبدیل کرنے کے لئے تمام علومِ جدیدہ میں زیادہ سے زیادہ شغف کی ضرورت تھی تاکہ مذہبی حقائق کو مشاہدات و آیات کی روشنی میں تابناک بنایا جا سکتا۔

قرآن نے ہر جگہ علوم مادی اور علوم روحانی کی تحصیل پر زور دیا ہے لیکن علماء نے سب سے پہلے علوم مادی کو ٹھکرایا پھر علوم روحانی میں سے مشاغلِ تصوف کو جو کشف والہام کے ذریعہ ایمان کی تنویرات سے قلب و روح کو معمور کر دیا کرتے تھے ترک کر کے درسِ حدیث وفقہ پر ہی توجہات وقف کر دیں حالانکہ ان کو غور کرنا چاہئے تھا کہ جو مسائل محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے دور میں کوئی شبہ نہیں پیدا کر سکتے تھے آج کیوں شبہات سے لبریز ہو گئے۔

یہ کشف والہام، وحی و خوارق اور خوابہائے بیداری ہی تھے جن کے عینی مشاہدات ہر غیب کو عالمِ شہادت کا رنگ دے رہے اور ایمان و یقین میں مسلسل اضافہ کر رہے تھے۔ بدقسمتی سے یہ نعمت بھی بڑی حد تک امتِ محمدیہ سے چھن گئی اور ایسے علماء بھی نہ پیدا ہو سکے جو سائنٹفک تحقیقات کرتے وران ہی کو آیاتِ الٰہی کے طور پر پیش کر سکتے۔ ہوا، بادل، کواکب و سیارات، فضا، طبقات الارض، وحشی اقوام، اقوام ماضیہ، تحلیل و ترکیب واجزار، معدنیات، اور ان کے کہربائی موثرات، نباتات اور ان کی گوناگوں انواع، پھر ان کے احساسات و اعمالِ انسانی، حیوانات اور ان کی ارتقائی تاریخ ان کے اقسام اور ان کا فلسفہ، انسان اور اس کی ہر گونہ استعدادات، اس کے جذبات کی دنیا، خیالات کی دنیا، اس کے علوم وادراکات۔ غرض یہ کیا کیا کچھ تھا جس پر تدبر کرنا قرآن کی صحیح تفسیر کا راستہ صاف کر سکتا تھا۔

کیا جس وقت ٹیلی وژن کی تحقیق نہ ہوئی تھی یہ کہا جا سکتا تھا کہ دنیا کا ہر شخص اور اس کا ہر عمل کائنات کی فضا کے ہر اس ناقابلِ تجزیہ حصہ میں منعکس ہو چکا ہے جس کا تصور کیا جا سکے اور اس طرح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی معمولی شخص اوراس کی معمولی حرکت بھی بے معنی نہیں۔ بلکہ ساری کائنات میں ایک زندہ حقیقت کی طرح موجود اوراس کی ہر فاعلہ اور منفعلہ قوت پر اثر انداز ہوکر زندگی کی تعمیر وتخریب کررہی ہے اور ہزاروں میل پر رہنے والے لوگ قوت متخیلہ کی عکس پذیری سے اس نیک وبد عمل کی تحریک کو جذب کررہے ہیں جس کی خبران کو قیامت تک بھی نہ ہوسکتی۔ حضرت عمرؓ نے میدانِ جنگ کا نقشہ اور اس کا عکس دیکھکر "یا ساریۃ الجبل" فرمایا اور سب صحابہ نے سن لیا۔ کل تک یہ ایک کرامت اورخرق عادت تھی لیکن آج انسانی ریڈیو اور ٹیلی وژن کا زندہ ثبوت ہے۔

انسان کے آلاتِ سمع وبصر اگر روحانی ریاضتوں اور مجاہدات کے ذریعہ نازک تر ہوجائیں تووہ خود ریڈیو اور ٹیلی وژن ہوسکتا ہے حضرت عمرؓ کے آلاتِ بصر نے ٹیلی وژن کا کام دیا اور صحابہؓ کے آلاتِ سمع نے ریڈیو کا۔ اور یہ کوئی خرقِ عادت نہ تھی، ہر شخص خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو یہ خصائص پیدا کرسکتا ہے۔ جوگیوں اور سنیاسیوں کے ایسے قصے بھی آپ نے سنے ہوں گے جن متکلمین اسلام کا یہ نظریہ ہے کہ کوئی کرامت خرق عادت نہیں بلکہ ہمارا ایسا خیال کرنا قوانین فطرت سے ناواقفیت کی دلیل ہے وہ غلط نہیں۔ حقیقت یہی ہے اوراس ہی وجہ سے ائمہ صوفیہ کرامات کو شعبدہ بازی سے زیادہ کوئی وقعت نہیں دیتے۔ ان کے نزدیک زندگی کا صراطِ مستقیم سے معمولی انحراف نہ کرنا ہی سب سے بڑی کرامت ہے اور اس قسم کی کرامات جو انسان کے دماغی اضمحلالات سے فائدہ اٹھانے کے سوا کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ انسانی عظمت وبرتری کے ثبوت میں پیش کرنا جائز نہیں۔

قرآن نے دعویٰ کیا تھا کہ

من قتل[۱] مومناً فکانما قتل الناس جمیعاً۔ — جس نے ایک مومن کو قتل کیا پس گویا ساری کائناتِ انسانی کو قتل کردیا۔

لیکن اس کی کوئی دلیل ہمارے علماء کے پاس نہ تھی اس لئے قرآنی دعویٰ کی وقعت زورِ قلم کی

---

[۱] ایک دوسری جگہ قرآن نے مومن کی بھی تخصیص نہیں کی۔ بلکہ من قتل نفساً بغیر نفسٍ وفسادٍ فے الارض" فرمایا ہے جس سے میرے عمومی تصور کو زیادہ مدد مل سکتی ہے۔ (ابوالنظر رضوی)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیادہ قائم نہ ہو سکی۔ اور سارے جہان کو قتل کرنے کا مطلب خدا کے نزدیک زبردست گناہ ہونا لے لیا گیا۔ اُفٍ لکم ثم اُفٍ لکم۔ وہ شخص جس کا دل و دیدہ ایمان کی تنویرات سے روشن، جس کی رگ رگ تجلیات سے معمور اور جس کی زندگی سراپا حق و صداقت ہو کر رہ گئی ہو، اس کا وجود اس کا ہر عمل، اس کا ہر اشارہ، اس کی ہر نگاہ بلکہ یوں کہیے کہ زندگی کا ہر پہلو فضائے بسیط کی برقی لہروں اور دیگر لطیف ترین قوتوں میں جذب ہو کر ساری کائنات کے لئے ایک رحمت اور برکت ہے دنیا کا کوئی گوشہ اس سے براہِ راست واقف ہو یا نہ ہو مگر اس کی برکات، اس کی نورانیت، اور اس کے نقوشِ حیات جذب کرسکنے سے محروم نہیں۔ اس کا ہر نیک عمل، اس کی ہر آوازِ حق و صداقت اس کا ہر پاک تخیل دنیا کو دعوتِ حق اور پیغام صداقت دیتا ہے۔ اس کو قتل کر دینے کے معنی دنیا کو سرچشمۂ خیر اور طوفانِ حیات میں منارہ روشنی سے محروم کر دینا ہے۔

لوگ عام طور پر قرآن کی اس حقیقت آفرینی کو استعارہ، مثال، تشبیہ وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ عمل اور اس کی زندہ قوتوں کا احساس رکھنے والے جانتے ہیں کہ یہ شاعری اور ادبِ لطیف کا کوئی جز نہیں بلکہ ایک ٹھوس حقیقت ہے جس کا اندازہ الہیاتی حقائق کے احساسات سے ناآشنا ہونے پر طبعیاتی تحقیقات سے بھی ہو سکتا ہے۔ آج ہمارے علمار نہ ان روحانی حقائق پر تدبر کرتے ہیں جو محققینِ صوفیہ کے کشفیات میں داخل ہیں نہ اہلِ سائنس کی ان نازک تحقیقات سے بہرہ یاب جن کا ہر برق پارہ خدا کے وجود، اس کی عظمت اور اس کی آمریت پر گواہی دے رہا ہے کاش داعیانِ اسلام ادہر متوجہ ہو سکتے!!

کہا جا سکتا ہے کہ جب ہر عمل کائناتِ انسانی ہی نہیں بلکہ مجموعی کائنات میں جذب ہو کر اثرانداز ہوتا ہے تو قتل ہی میں وہ کونسی خصوصیت تھی جس کی بنا پر قرآن نے اس ہی کا انتخاب کیا۔ لہذا یہ بھی یاد رکھئے کہ انسانی دماغ کچھ اس نوع کا واقع ہوا ہے کہ وہ اذیت کی انتہائی صورت یعنی قتل تک کو وقتی مقامی اور مخصوص ماحول تک محدود سمجھتا ہے۔ تا بدیگراں چہ رسد۔ اس لئے قرآن نے نہ صرف قتل کی اس اہمیت کو دیکھتے ہوئے بلکہ اس بنا پر بھی کہ کسی ارتقار کی آخری شکل کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خواہ وہ ارتقا اذیت ہی کیوں نہ ہو پیش کر دینا درحقیقت اس کی تمام ابتدائی اور درمیانی کڑیوں کو پیش کر دینے کے مترادف ہوتا ہے۔ "مثقال ذرۃ" کی اہمیت کو محسوس کرنے کے باوجود صرف قتل کے قتلِ عام کو پیش کرتے ہوئے بتا دیا کہ کسی عمل کو محدود تصور کرنا غلطی ہے۔ ہر عمل کائنات کے ہر ذرہ اور ہر طاقت پر اثر انداز ہوتا اور زندگی کی لائن تبدیل کر سکتا ہے۔ ہر گناہ خواہ وہ کسی قسم کا کیوں نہ ہو ایک قتل ہے، اخلاق کا قتل، محبت و وفاداری کا قتل، شرافت و اخوت کا قتل، دیانت و صداقت کا قتل، نظم و اجتماعیت کا قتل، سنجیدگی اور رواداری کا قتل، غرض یہ کہ نیکی جس کا نام ہے وہ حیات، تخلیق اور نشو و ارتقار کی ضامن ہے اور گناہ مرگ و فنا کا علمبردار۔ ہر نیکی ایک حیات کی تخلیق یا ایک خلق و حیات کو ہر گونہ امدادِ ربوبیت سے نشو و نما دیتی ہے اور گناہ کسی نہ کسی اخلاقی، نفسیاتی، ذہنی حقیقت کو موت دیتا ہے۔ نیکی ایک تعمیر ہے اور گناہ ایک تخریب دہ زندگی ہے یہ موت، نیکی زندگی کی آئینہ دار ہے۔ اور گناہ موت کا اجارہ دار لہٰذا یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ قرآن نے قتل کا انتخاب کر کے دوسرے گناہوں کو چھوڑ دیا۔ اس نے تو گناہ کا صرف وہ پہلو انتخاب کیا ہے جس کا کھلا ہوا نتیجہ موت تھا۔ ورنہ ہر وہ گناہ جس کی موت نگاہوں کو محسوس نہ ہو، ایک قتل ہے۔ اور قرآن کے نزدیک ساری کائنات پر اثر انداز ہونے والا۔ قرآن نے شہدار کے بارے میں "بل احیاءٌ" کی شہادت سے اس ہی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جب نیکی زندگی کی ضامن ہوگئی اور شہدار کے اعمال حسنہ ہنوز زندہ اور برسرِ عمل ہیں تو پھر اس مادی زندگی کے اعتبار سے بھی کیونکر ان کی زندگی کو موت کے آغوش میں دیا جا سکتا تھا۔ زندگی اگر چند سانسوں اور دورانِ خون کا دوسرا نام نہ تھا تو وہ نہ صرف تشخص انسانی اور ادراک و احساس کے اعتبار سے دامنِ ربوبیت سے وابستہ ہے بلکہ کائنات میں زندگی کی برقی قوتیں جذب کرتے رہنے کے اعتبار سے بھی باقی ہے اور باقی رہے گی۔

شہدار کی حیاتِ مادی اور حیاتِ مجرد ثانیات کی نوع سے نہیں جیسا کہ مولانائے محترم سید سلیمان صاحب ندوی کا گمان ہے بلکہ یہ بھی ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ قرآن حقائق کا ترجمان ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شعراء کی مثالیات سے اسے کیا نسبت؟ قرآن کی مثال بھی ایک حقیقت ہوتی ہے خواہ عوام کو اس سے حقیقتِ کاملہ کا احساس نہ ہو سکے۔

لا یستحی ان یضرب مثلاً ما بعوضۃ فما فوقہا۔ خدا ایک مچھر بلکہ اس سے چھوٹی چیز کی مثال دینے سے بھی نہیں شرماتا۔[1]

کا فلسفہ بھی یہی ہے اگر مثال خود ایک حقیقت نہ ہوتی تو شعراء کی طرح اس کو بھی پست و ذلیل امثلہ کی بجائے بہتر امثلہ کا حسن کلام کے لئے انتخاب کرنا پڑتا۔ لیکن چونکہ وہ صرف ایک سچی حقیقت پیش کرنا چاہتا ہے اس لئے اس کو ان مراعات کی احتیاج نہیں جو حسن شعری میں اضافہ کرنے کے سوا کچھ نہ کر سکتی ہوں۔ دوسرے قرآن جہاں مثال دیتا ہے وہاں مثال اور حقیقت کے درمیان تشابہ نہیں پیدا ہونے دیتا بلکہ اس کے دعاوی اور ان کا سیاق و سباق صاف بتاتا ہے کہ مثال ہے یا حقیقت علماء کی جس جماعت نے ظواہر آیات کو تمثیلات پر محمول کر کے تاویل کا راستہ اختیار کیا ہے میں اسے دیانتدارانہ غلطی، یا کبائرانہ گناہ اور اجتہادی بے راہ روی سے زائد کچھ نہیں سمجھتا۔

قرآن کی حقائق نوازی کا درست اندازہ کر سکنے کے لئے ضمنی روحانی لطافت و علویت، ذہنی تکمیل و ارتقاء حس نازک اور پاکیزگی، یا جس قدر طبعیاتی، کیمیاوی اور دیگر علوم و معارف کی تحقیقات ہونا چاہئے وہ اس سے بہرہ یاب نہ تھے اور دوسروں کے قلب و دماغ کو تسکین دینے کی غرض سے انھوں نے تاویلات کا سنگِ بنیاد رکھا۔ بہرکیف کچھ ہی کیوں نہ ہی علماء اسلام نے علم و فن کا ایک ایسا خاص محور اور محدود مستقر تلاش کر لیا تھا جس سے وہ کسی طرح دور نہ ہو سکے۔

اگرچہ مجھے یہ تسلیم کرنے سے انکار نہیں کہ سیاسی انقلابات، تمدنی تعمیر و تخریب اور اجتماعی نظامات کے گوناگوں تغیرات نے بھی ان کو مسلسل انہماک کا موقعہ نہیں دیا اور اس بنا پر وہ صدہا علوم و فنون کے موجد و مخترع تو ہو گئے لیکن ان کو فروغ نہ دے سکے۔

---

[1] مچھر کی اگر ساخت، عادات، معیشت و معاشرت وغیرہ پر غور کیا جائے تو باوجود اتنا حقیر ہونے کے ایک دنیا ئے ہوئے ثابت ہوگا یہ ہی وہ حقائق ہیں جن کو دنیا نہیں جانتی اور اس لئے ایسی مثالوں کو وقعت نہیں دیتی (ابوالمنظر رضوی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر باوجود اس کے یہ حقیقت اپنی جگہ پر مسلّم ہے کہ انھوں نے اس نقطۂ پرواز تک رسائی حاصل نہیں کی جس کی حقائقِ اسلامیہ کو ضرورت تھی اور جو مغربی قوموں کے لئے علمِ الٰہی مخصوص کرچکا تھا۔ نہ صرف اتنا ہی ہے بلکہ آج بھی ایسے علماء اور محققین اسلام بہت ہی کم ہیں جو جدید تحقیقات سے اسلامی تبلیغ کی سہولتیں فراہم کرکے دنیا کو دعوتِ حق دے سکتے ہوں۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا سید سلیمان ندوی، پروفیسر محمود علی کپورتھلہ، مولانا سعید احمد صاحب ایم اے پروفیسر سٹن کالج دہلی وغیرہ کو یہاں فراموش کردینا اخلاقی گناہ ہوگا۔ سید صاحب موصوف کے صرف خطباتِ مدارس ہی میرے نزدیک ان کی نجات کے لئے کافی ہیں، چاہے سیرۃ النبی کی کوئی ایک جلد بھی مرتب نہ کرسکتے میری زندگی میں وہ خطبات ہی پہلی چیز ہیں جس نے میرے دل کو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ عظمت سے معمور کردیا تھا۔

ایک مسئلہ سے دوسرا مسئلہ چھڑتا جارہا ہے، بات کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ کہنا یہ تھا کہ موت تشنجی، نفسی اور تخئیلی اذہنوں کے لحاظ سے بھی نیند سے مشابہت رکھتی ہے اور صورِ مثالیہ عرفیہ سے لذت والم جذب کرنے کے اعتبار سے بھی جس طرح نیند کا تصور کبھی لذت وشیرینی کے احساسات بیدار کرتا ہے اور کبھی جمالیات کا بے تابانہ شوقِ دید ہونے پر نیند ناخوشگوار محسوس ہونے لگتی ہے ایسے ہی موت میں نہ کوئی غم ہے نہ لذت بلکہ سازِ مرگ جذبات کے جیسے نغموں کو چھیڑ رہا ہوگا۔ موت بھی اس ہی رنگ میں محسوس ہوگی۔ انسانی فطرت کا یہ نفسیاتی نکتہ کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ وہ جس ماحول کے درمیان اور جن چیزوں سے وابستہ ہوکر ایک عرصہ تک زندگی گذار چکی ہوگی۔ اس سے بغیر طبعی محبت کئے نہیں رہ سکتی۔ اس ماحول سے علیحدگی اور ان اشیاء کی تخریب خواہ تعمیری کے لئے کیوں نہ ہو اس کو ہرگز گوارا نہیں ہوسکتی جن میں وہ ایک مدت تک رہ چکی ہو۔

اس معاملہ میں موت یا زندگی کے کسی انقلاب کی کوئی تخصیص نہیں دونوں سے یکساں تاثرِ غم ہوگا۔ رہی تاثر کی کمی بیشی وہ علیحدگی، مدت اور جذبات کی والہانہ دلچسپیوں کے کم وبیش ہونے پر موقوف ہوا کرتی ہے۔ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ نیند یا زندگی کے کسی دوسرے انقلاب میں کوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسی طبعی کشش تھی کہ اذیت محسوس نہیں ہو سکتی۔ اور موت میں کوئی ایسا "دشنۂ پنہاں" تھا جو لذت کا خواب بھی نہیں دیکھنے دیتا۔

انسانی نفسیات کا علم آپ کو بتائے گا کہ ہر گونہ لذت والم لیلائے وجدان ہی کی چشمہائے ناز کا نتیجہ ہے اور بس۔ نہ موت میں کوئی زہر ہے نہ زندگی میں کوئی تریاق۔ قومی فوج کے سپاہی، فلاسفہ صوفیاء، مجاہدین اور انبیاء یا غم زندگی سے تنگ آئے ہوئے جس موت کو بوسہ دینا سب سے بڑی عزت سب سے بڑی خوش قسمتی اور سب سے بہتر سکون محسوس کرتے ہیں اس ہی موت کو ایک کافر، ایک گنہگار، ایک دہریہ اور ایک بزدل سب سے بڑی خوفناک چیز سمجھتا ہے یہ کیا ہے؟ انسانی فطرت کی وہ نفسیاتی بھول بھلیاں جس نے حقائق کی دنیا کو ایک معمہ بنا دیا۔

موت سے خوف کرنا ایک ایسی حماقت ہے جو انسان کی ذہنی اور نفسی حیات کا ایک جزء ہو کر رہ گئی ہو۔ لیکن یہ اس ہی وقت تک ہے کہ انسان اس مادی ماحول کو ٹھکرا کر یہ محسوس کرنے کی جرأت نہ پیدا کر سکے کہ انسان کیا چیز ہے؟ اس کی کیا اہمیت ہے اس کے استعدادات کیا ہیں اور وہ کوئی ایسا جوہر رکھتا ہے یا نہیں جو ثبات و دوام کی جنت پہلو میں لئے ہو۔

یہ حقائق فلسفہ اور سائنس کی روشنی میں سمجھے جا سکتے ہیں۔ محسوس نہیں ہو سکتے مشاہداتی احساس کی دولت حاصل کرنے کے لئے آپ کو اس تصوف و روحانیت کی دہلیز پر جھکنا پڑے گا جس کو مادی تمدن کا ہر ذرہ ٹھکرا چکا ہے اور کیوں نہ ٹھکرائے۔ جب نور ایمان کی ایک قندیل بھی روشن نظر نہ آتی ہو تو گم کردہ راہ کونسے شعلۂ طور سے اپنا راستہ پا سکتا ہے۔ علماء کی ہر تبلیغی سعی و جہد اس لمحہ تک معنویت سے تہی دامن رہے گی جب تک کہ وہ موت اور عالمِ اخروی کے حقائق کا مشاہدہ کر کے قلبی اذعان و یقین کے سایہ میں دنیا کو زندگی کی اس شاہراہ پر گامزن ہونے کی دعوت نہ دیں گے جو انسان کے ہر اختراعی نظریہ سے زیادہ کامیاب زندگی تک پہنچانے والا ہے۔ خواہ وہ نظریۂ جمہوریت ہو یا شہنشاہیت، آمریت ہو یا اشتراکیت۔ کائناتِ انسانی کی قوتِ متخیلہ کو معمول بنا سکنے کے لئے اس کہربائی قوت کی ضرورت ہے جو ایمان کی شعاعیں پیدا کیا کرتی ہیں جب تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مبلغین اور داعیانِ اسلام ہیں وہ دل نہ ہوگا جسے ایمان کا برقعہ کہا جاسکے اس وقت تک نہ موت کا خوف دور کیا جاسکتا ہے نہ ایمان بالغیب کا کوئی امکان۔ اور جب تک یہ چیزیں نہ ہوں نہ مسلمان سچا مسلمان ہوسکتا ہے نہ اس حکومت واقتدار کا مالک جو دنیا کی دوزخ کو جنت بنا سکے ہر شخص موت سے صرف اس خیال کی بنا پر خوف کرتا ہے کہ اس کا وہمی نہیں بلکہ حقیقی وجود یا تو ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائے گا یا ایسی مجرد زندگی نصیب ہوگی جسے خواب وخیال سے تعبیر کیا جاسکے اور یہ دونوں صورتیں قریب قریب یکساں حیثیت رکھتی ہیں حالانکہ وہ لوگ جو دوسرے عوالم کو دیکھ چکے ان کا ادراک واحساس کر چکے اور ہر وہم وظن سے بالاتر یقین حاصل کر چکے ہیں ان کے نزدیک یہ وجود وہمی ہے اور جو بیداری، زندگی اور وجود موت پر نصیب ہوگا وہ موجودہ زندگی سے کہیں زیادہ حقیقی ہوگا۔ قرآن بھی اس کو "لہی الحیوان" اصل زندگی کہتا ہے مگر یہ سب وہ باتیں ہیں جن کے کہنے والے مرچکے اگر آج قرآن کے دعوے پر روحانی مشاہدات کے ذریعہ یقین رکھنے والے تبلیغِ اسلام کے لئے پیدا ہو جائیں تو قرونِ اولیٰ کا وہی سنہری دور واپس آسکتا ہے جس کی تمنا ہر مسلمان کو ہوگی۔

نزع اور نظارۂ برزخ موت پر بحث کرتے ہوئے مجھے اس نازک اور پیچیدہ مسئلہ کو بھی چھیڑنا پڑے گا جس کا تذکرہ ہمارے مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے سیرۃ النبی جلد چہارم صفحہ ۹۰۶ پر فرمایا ہے۔ مولانا کی تحقیق یہ ہے کہ عالم برزخ کے مناظر نزع کے وقت نظر آتے ہیں چنانچہ انھوں نے آیات اور مفسرین کے بعض اقوال کو شہادت میں پیش فرمایا ہے لیکن میں بصد ادب اختلاف کرنے کی اجازت چاہوں گا میرے نزدیک یہ درست نہیں اور بہ چند وجوہ۔

(۱) بہ حیثیت طبیب اور بہ حیثیت دوست یا عزیز ہونے کے عالم نزع کی آخری ہچکیوں تک مجھے ٹھیرنے کا بارہا اتفاق ہوا ہے لیکن میں نے مرنے والے کی زبانی کوئی ایسی بات آج تک نہیں سُنی جو عالمِ برزخ کے بعض مناظر پیش آنے کی شہادت دے سکتی نہ کسی دوسرے صاحب سے ایسی چیز سننے کا اتفاق ہوا۔ یہ غلط فہمی نہ ہونا چاہئے کہ عالم سکرات چونکہ گفتگو کا موقعہ نہیں دیتا اس لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معلوم نہ ہوسکا ہوگا کیونکہ آخری ہچکیوں تک کبھی ہلکی آواز اور کبھی اشارہ سے بات کرتا رہا ہوں۔ مجھے طبعی طور پر دوسری دنیا کا حال معلوم کرسکنے کا شوق جنون کی حد تک رہا ہے اور اس لئے میں نے نہایت احتیاط سے ہر سانس ہر اشارہ اور ہر انداز سے یہ محسوس کرنے کی کوشش کی کہ آیا مرنے والے کو عالم بالا کی کوئی حقیقت تو نظر نہیں آرہی مگر نتیجہ ہمیشہ صفر ہی رہا۔

چنانچہ ایک زمانہ میں انھیں مشاہدات کے بھروسہ پر مجھے عالمِ آخرت کا وجود مشتبہ نظر آنے لگا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ ایسے مشاہدات کو غلط ثابت کرنے کے لئے پہلو نکل سکتے ہیں لیکن جس نے "اذا بلغت الحلقوم" تک کوئی پتہ نہ پایا ہو وہ بہ مشکل ہی تاویلات سے دل کی پیاس بجھا سکیگا۔ بعض مرنے والوں کو مردہ احباب واعزہ اور بعض کو عجیب وغریب اشکال ضرور نظر آتی ہیں لیکن اگر آپ غور کریں گے تو وہ حافظہ کی فوٹو گرافی اور اضمحلال دماغی کے بھیانک مناظر سے زیادہ علی العموم کچھ نہ ثابت ہوگا۔

(۲) عالمِ نزع آخرت کے منازلِ اربعہ کا کوئی جزء نہیں نہ قرآن نے اس کا دعویٰ کیا نہ محققین صوفیا ہی اس کے موید ہیں۔ نزع اور اس کی تمام اذیتیں ان ہی قوانین کے تحت ہوتی ہیں جو کائنات کے ہر ذرہ پر نافذ ہیں۔ نزع میں کوئی ایک تکلیف بھی ایسی نہیں ہوتی جسے عذاب اخروی سے نسبت دی جاسکے۔ لہذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ نزع منازلِ آخرت میں سے کوئی منزل نہیں جب ایسا ہے تو پھر عالمِ برزخ کے مناظر ان ہی آنکھوں سے نظر آنے کے کیا معنی؟ روح جب تک اس مادی کثافت سے باہر نہیں آجاتی اسے عالمِ برزخ کا کوئی نظارہ کیونکر محسوس ہوسکتا ہے جسمانی اذیت خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہو محض اذیت ہونے کے اعتبار سے ہرگز روحانیت کے حقائق ومناظر کو پیش نہیں کرسکتی جن آنکھوں کو ہمارے چہرے، ہمارے در ودیوار اور ہماری زمین وآسمان نظر آرہا ہو، انھیں دوسری دنیا کیسے نظر آسکتی ہے۔ تشنجی، تنفسی اور تخیلی اذیت نہ عالم برزخ سے کوئی مناسبت رکھتی ہے، نہ اس کی نیم بیہوشی۔ ہر تکلیف میں ہوش وحواس پر اثر پڑتا ہے اور خصوصاً سخت تکلیف پر۔ لیکن کیا وہ بیہوشی برزخ کے پردے اٹھا سکتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موت ہمیشہ اذیت کے سایہ میں نہیں ہوتی۔ کمزور اور پرانے مریضوں کی روح علی العموم نہایت جلد اور نہایت سہولت سے نکل جاتی ہے، نہ ان پر سکرات کا عالم طاری ہوتا ہے نہ غمرات کی گہرائیوں میں وہ ڈوبتے ہیں۔ اور اگر کچھ ہوتا ہوگا تو ایسا جسے عالم نزع کی اہمیت سپرد نہیں کی جاسکتی ایسی حالت میں آخر وہ کیا چیز ہے جو پردے اٹھا سکتی ہو؟ کیا وہ طاقت موت ہے؟ موت کے کیا معنی موت کوئی مستقل وجود نہیں رکھتی۔ خواہ عالمِ مثال میں اس کی کوئی شکل ہو لیکن اس عالمِ آب وگل میں ان علامات و آثار ہی کا دوسرا نام موت رکھا جاتا ہے جو اذیت اور بیہوشی سے ترکیب پاتے ہیں لہذا موت میں کوئی ایسی کشش تسلیم کرنے سے انکار کی اجازت ہونا چاہیئے جو برزخ کے مناظر دکھا سکے۔

(۳) روح اس عالم رنگ وبو میں حیات ونمو کے ایک ایسے قانون کا نام ہے جسے ہمارے علم واطلاع سے قطعًا باہر نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یورپ کے ڈاکٹر نہ دل کی حرکت کو سالہا سال تک باقی رکھ سکتے نہ اس شخص کو جو نزع سے گذر کر موت کے آغوش میں پہنچ چکا ہو دوبارہ کچھ عرصہ کے لئے زندہ کیا جاسکتا، نہ اس قسم کے صدہا معجزات سائنس وکیمیا کی ساحری سے دکھائے جاسکتے تھے۔ روح اس عالم میں بخاراتِ لطیفہ[۱] قوتِ مدبرہ اور نسمہ[۲] کا نام ہے اور یہاں تک کہ ہم

---

[۱] خواہ دوسرے عالم میں اس کی کوئی حقیقت، شکل اور نوعیت ہو اور اس روح سے جس کو روحِ طبعی کہا جاتا ہے نفسِ ناطقہ یا روحِ انسانی (جو روحِ طبعی کی ہیئتِ مجردہ ہے) کسی قسم کا ربط وتعلق کیوں نہ رکھتی ہو۔

[۲] یہاں یہ مغالطہ نہ ہونا چاہیئے کہ جب دونوں ارواح ایک ہی حقیقت کی دو تصویریں ہیں تو کسی زندگی میں ان کے جمع ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ ہر ایک کو اپنے اپنے عالم تک محدود رہنا چاہیئے۔ حالانکہ محققین صوفیا کا نظریہ یہ ہے، کہ بعدِ موت نسمہ بھی روحِ انسانی کے ساتھ مربوط رہیگا۔ اس کے معنی یہی ہوسکتے ہیں کہ دونوں ارواح جداگانہ حقائق ہیں نہ کہ ایک ہی حقیقت کے دو پہلو۔

کیونکہ اول بقائے نسمہ کے معنی صرف اس کے قوائے باطنہ کا وجود ہے جو باوجود لطیف تر ہونے کے محض مادہ سے خلق ہونے کی بنا پر مادی کہے جاسکتے ہیں ورنہ نسمہ کے وہ تمام اجزا ترکیبی ہرگز باقی نہیں رہیں گے جن کی حیاتِ نوبہ نو مادی وسائل کی محتاج تھی۔ لہذا جب قانونِ مادی کی زائیدہ روحِ طبعی اپنی اصل شکل میں نہیں رہی تو یہ اعتراض نہیں پڑ سکتا۔ وہ روح ہی کہاں رہی۔ اس کے بعض خواص وقویٰ باقی رہ گئے، دوسرے خود صوفیا ہی کے نزدیک کوئی زندگی پچھلی زندگی کے بعض جواہر حیاتیہ کو قانونِ ارتقاء کے مطابق پہلو میں لئے بغیر نہیں ہوسکتی۔ اس لئے اگر ارواحِ طبعی اور نسمہ حیاتِ مادی کا ضروری جز یا جوہر ہونے کے لحاظ سے باقی رہ جائے تو یہ خود تخلیقی قوانین کا احتیاج ہوگا نہ کہ بغیر ضرورت احتیاج دوگونہ حیات وروح کا باہمی ربط واتصال۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عام حالات میں موت وحیات کے کسی پہلو سے روحِ مجرد کا وجود تک نہیں محسوس کر سکتے۔ خواہ اندازہ کر سکتے ہوں۔ اس نشاۃ دنیا وی کی یہ خصوصیت ہے اور اس ہی لئے ایمان بالغیب پر زور دیا گیا۔ موت ہو یا زندگی تعمیر وتخریب کے اس ہمہ گیر قانون سے بالاتر پرواز نہیں کر سکتی جو قدرت نے ہماری حیاتِ مادی کے لئے تجویز کر دیا تھا۔ عالمِ برزخ کے مناظر دیکھ سکنا اس عام قانون کے خلاف ہے نہ کسی نے وہ مناظر دیکھے نہ دیکھ سکتا ہے تا آنکہ مجاہدات، ریاضیات اور اعمال ووظائف کے ذریعہ وہ اپنی خفتہ استعدادات کو بیدار کر کے ان لطیف ومجرد عوالم سے ربط نہ پیدا کرلے جہاں روح ایک دوسرے قانون کے تحت نئی ہیئت اختیار کر لیتی اور مخفی استعدادات سے زیادہ کام لے سکتی ہے۔ موت سے یہ توقع قائم کرنا کہ وہ حیاتِ مادی کے قانون سے اس آخری سانس تک جو اس دنیا کی فضا میں لیا جا رہا ہے، قلب کے اس قبض وبسط تک جو سینہ میں تلاطم پیدا کر رہا ہے اور خون کے اس دوران تک جو رگ وپے میں آتشِ سیّال کی لہریں دوڑا رہا ہے انسان کو آزاد کر کے نئی دنیا کے مناظر سامنے لا سکتی ہے غلط ہوگی اور یکسر غلط۔

اگر اس زندگی کی موت بھی کچھ مناظر دکھا سکتی تو آپ دنیا کو آج سے بہت کچھ مختلف پاتے۔ انسان جب تک اس زندگی کا ایک جزء ہے اس وقت تک وہ صرف اتنا ہی دیکھ سکتا ہے جتنا کہ قانونِ قدرت نے اس کو اجازت دی ہے۔ موت کائناتِ مادی کا ایک تخریبی قانون ہے اور اس کائنات کا کوئی قانونِ مادی قوتوں سے زیادہ لطیف، عمیق اور علوی نہیں ہو سکتا۔ نزع میں ہرگز یہ استعداد نہیں کہ قانونِ مادی کی گرفت سے ایک لمحہ کے لئے بھی آزاد کر سکے صرف موت کی تاریکیاں ہی پائندہ تابناکیوں کو آغوش میں لے سکتی ہیں اور کوئی چیز نہیں۔

(۴) قرآن کی جن آیات سے نزع میں برزخ کا علمِ یقین ثابت کیا گیا ہے ان پر روشنی ڈالنے سے قبل بطور تمہید ایک نکتہ عرض کرنا چاہتا ہوں جس کے بعد میرا نظریہ واضح تر ہو جائے گا۔

موت تمام اضافاتِ حیاتیہ کا انقطاع کر کے سکون وطمانیتِ قلب کا باعث ہوتی ہے یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے جس لمحہ تک زندگی اور موت کی کشمکش مرنے والے کے ذہن میں جاری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہتی ہے وہ دوگونہ عذاب میں مبتلا رہتا ہے لیکن جب زندگی کا کوئی بعید ترین امکان بھی باقی نہیں رہتا تو وہ تمام توجہات اور تخیلی شعاعوں کو سمیٹ کر اس مرکز پر جمع کر دیتا ہے جس کو موت کہتے ہیں اس وقت مرنے والے کی ہر بات اور ہر حرکت میں ایک سکون وطمانیت ہوتی ہے۔ اور ایسی طمانیت جو اس سے پہلے اسے کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ وہ تمام آرزوئیں، وہ تمام جذبات اور وہ خیالات جو اسے ضمیر کی آواز نہ سننے، سچائیوں کو تسلیم نہ کرنے اور حقائق کو محسوس نہ کرنے کے لئے مجبور کیا کرتے تھے تاکہ مادی زندگی کو عیش سے گذارا جا سکے۔ سب کے سب دفن ہوجاتے ہیں اور اب وہ ضمیر کی ہر آواز، روح کا ہر نغمہ، اور انسانی فطرت کا ہر مطالبہ گوشِ ہوش سے سننے کے لئے ہمہ تن آمادہ ہوجاتا ہے اور یہ آمادگی ان تمام تہ بر تہ پردوں کو اٹھانا شروع کر دیتی ہے جو آج تک دل کی آنکھوں پر پڑتے رہے تھے جن حقائق صادقہ کو کل تک وہ فراموش کر دینے میں کامیاب ہوجایا کرتا تھا آج ان سچائیوں سے انکار کرنا اپنے آپ کو جانتے ہوئے فریب دینا محسوس ہوتا ہے وہ خدا اور عالمِ آخرت سے انکار کرتا تھا مگر آج جبکہ اغراض کا ہر پردہ اٹھ چکا ہے وہ دل کی گہرائیوں میں ایک عظیم تر طاقت کا وجود، اس کی آمریت اور اس کے بے پناہ قوانین کی گرفت کو محسوس کرتا ہے۔ اس کا دل کہتا ہے کہ مجھے ہمیشہ کے لئے موت نہیں آرہی بلکہ اس موت کے دروازہ سے کسی دوسری دنیا میں لے جایا جا رہا ہے اور دنیا بھی ایسی جہاں میری ہر لغزش پر باز پرس ہوگی۔ مرنے والے کے پاس نہ اس یقین کے دلائل ہوتے ہیں نہ برزخی مناظر کے مشاہدات بلکہ خود اس کی ہستی کا ہر ذرہ پکارتا ہے کہ خدا ہے اور دوسری دنیا بھی۔

اضافاتِ حیاتیہ کے انقطاع نے جو پاکیزگی، نازک احساس اور لطافت پیدا کر دی تھی اس کا تقاضا ہی یہ تھا کہ ان صداقتوں کا اقرار کیا جائے جن کا آج تک انکار کیا جاتا رہا۔ خدا اور عالمِ آخرت کا یقین اس کے ہر رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا ہے۔ ایمان بالغیب رکھنے والے مسلمان کی اس بارے میں کوئی تخصیص نہیں۔ بڑے سے بڑا دہریہ بھی موت پر "ان کہی" کہہ اٹھتا ہے۔ خواہ اس کی یہ توجیہ موروثی خوف کے تاثر سے کیوں نہ کی جائے۔ یہی وہ حق، صداقت اور یقین ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس کا قرآن نے دعوے کیا تھا۔

وجاءت سکرۃ الموت بالحق ذالک — اور موت کی بیہوشی سچائی کو لے کر آگئی یہی ہے

ما کنت منہ تحید (ق) — وہ جس سے تو ہٹا کرتا تھا۔

مفسرین نے اس آیت کی توضیح کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا ہے وہ بھی میرے مدعا کے خلاف نہیں۔

کشفت لک عن الیقین الذی — تیرے اس یقین کے پردہ کو کھول دیا گیا جس میں

کنت تمتری فیہ (حافظ ابن کثیر) — تو شک کرتا تھا۔

ویظھر لہ صدق ما جاءت بہ الرسل — اور پیغمبر جس قیامت اور جزا سزا کی خبریں لیکر

من الاخبار بالبعث والوعد والوعید (قاضی شوکانی) — آئے تھے ان کی سچائی ہویدا ہو جاتی ہے۔

وغیرہ تفسیریں بالکل میری تائید میں ہیں ان سے ہرگز اس کا شبہ بھی پیدا نہیں ہوتا کہ "سکرات کے وقت حقیقت کا کوئی منظر سامنے ضرور آجاتا ہے" خود سید صاحب موصوف نے بھی "بہر حال موت کے وقت یقین کا پردہ بالکل کھل جاتا ہے" فرماتے ہوئے میرے ہی خیال کی تائید فرمائی ہے مجھے اس قول میں صرف "بالکل" سے اختلاف ہے جبکہ خود سید صاحب بھی کشفِ نزعی کو "کسی قدر کشف" فرما چکے ہوں تو پھر "بالکل پردہ" اٹھ جانے کے کیا معنی ہوں گے؟ یقین کا پردہ اٹھتا ہے اور ضرور اٹھتا ہے مگر اس ہی نوع کے یقین کا جو ہم کسی غیر تاریخی واقعہ یا ان متمدن مغربی ممالک کے جمیل ترین مناظر کے متعلق رکھتے ہیں۔ جن کو ہم نے آج تک خواب میں بھی نہیں دیکھا۔ قرآنِ کریم کی حسب ذیل آیت اس ہی نکتہ کی وضاحت کرتی ہے۔

حتی اذا جاء احدھم الموت قال — جب ان کافروں میں سے کسی ایک کو موت آتی ہے

رب ارجعون لعلی اعمل صالحا — تو وہ کہتا ہے اے پروردگار مجھے واپس کردے

فیما ترکت کلا انھا کلمۃ ھو قائلھا — تاکہ جو مال میں نے چھوڑا ہے اس سے شاید کوئی

ومن ورائھم برزخ الی یوم — نیک کام کرسکوں ہرگز نہیں یہ بات ہی بات ہے

یبعثون (مومنون - ۲) — جو وہ کہتا ہے اور ان کے پیچھے اس دن تک پردہ ہے جب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برزخ کے ہیبت ناک مناظر ان ہی کھلی ہوئی آنکھوں سے دیکھ کر کون ایسا ہو سکتا ہے جو اپنے وعدہ کو شکست کر سکے ایک ہولناک خواب کئی کئی گھنٹے اور کئی کئی روز پریشان رکھتا ہے جیل خانہ کا سیاہ پھاٹک اور لاٹھی چارج کا منظر سیاسی تحریکات میں باوجود قومی تعمیر کا احساس رکھنے کے بہت سے لوگوں سے شرکت کی ہمت سلب کر لیتا ہے۔ سم خوردگی کے تجربات ہر سمیت سے عمر بھر کے لئے لرزہ براندام کر دیتے ہیں۔ پھر برزخی مناظر ہی میں وہ کونسی کمزوری تھی جن کی بنار پر اس کی دوزخ کے بے پناہ شعلے بھی چند روز کے لئے ذہن پر نقش نہ ہو سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی نگاہوں کو کسی منظر نے مس نہیں کیا اس نے کچھ نہیں دیکھا مگر دل کی اس معصومانہ لطافت و تاثر نے جو چند لمحات کے لئے اضافاتِ حیاتیہ کی تاریکیوں سے پاک ہوگئی تھی فطرت کے اس اعترافِ حقیقت کو بیدار کر دیا جو "الست بربکم" کے جواب میں کہا گیا تھا۔ انسان کا ہر کفر و ریب مادی ماحول سے وابستگی کا نتیجہ ہے ورنہ فطرت کا تقاضا حقائق پرستی کے سوا کچھ نہ تھا۔ نزع نے مادی ماحول کی ہر کشش سے قوائے انسانیہ کو آزاد کر دیا اور اس طرح ہر انکار اقرار میں تبدیل ہوگیا۔ ورنہ احساسات تبدیل ہوجاتے پر اس اقرار کا انکار رہو جانا کچھ مستبعد نہیں۔ شاہ اسمٰعیل صاحبؒ نے طبقات صفحہ ۱۳۹ میں اہل سعادات کے مدارج بتاتے ہوئے اس ہی نکتہ کو واضح فرمایا ہے۔

وھو ان یکشف العلم بباریہ بلا تیاتی	وجود باری کا کشف تہذیب نسمہ اور اس کی صفائی
الا بعد تھذیب النسمہ ای بعد	و شفافیت کے بعد ہوتا ہے کیونکہ اس کے تمام
تصقلہ لاطمینان قواہا عن	قوائے اور حواس پریشانیوں سے پاک اور مطمئن
التشویشات ھذا ولہ میل الی	ہوجاتے ہیں اور وہ پاکیزگی خدا کی طرف ایک
حظیرۃ القدس لا من جنس العشق	کشش رکھتی ہے۔ عشق و محبت اور طلب و
والمحبۃ والطلب بل من جنس	آرزو جیسی نہیں بلکہ اس قسم کی کشش جو ہر عنصر کو
میلان کل عنصر الی حیزہ۔	اپنے مرکز کی طرف ہوتی ہے۔

موت کے وقت جو حقائق روحانی سے کشش، خدا کے وجود کا یقین و کشف اور عالمِ اخروی کا تصور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا ہوتا ہے وہ اہلِ سعادت کے اس ہی اولین درجہ کے مثل تھا۔ نسمہ کی تہذیب اور روحِ طبعی کے آئینہ کی شفافیت۔ تشویشات اور اضافات حیاتیہ سے آزاد و مطمئن ہو جانے پر پیدا ہوا کرتی تھی اور وہ نزع موت کے یقین اور تمنائیں دفن ہو جانے سے پیدا ہوگئی۔ نتیجہ وہ ہی کشف و یقین ہونا چاہیے تھا جو خطیرۂ قدس سے عنصری جذب و کشش رکھتا ہو۔ بس یہ ہی وہ حقیقت ہے جو موت پر جذبِ روحانی کی تخلیق کرتی ہے مگر کسی منظر کو سامنے نہیں لاتی اور یہ ہی وہ اعترافِ حقیقت تھا جسے دنیا کی دلچسپیوں میں ایک مرتبہ پہلے بھی فراموش کیا جا چکا ہے۔ اگر نزع کی کشمکش کو دوبارہ زندگی میں تبدیل کر دیا جائے تو زندگی کی مقناطیسی جاذبیت اس کی توجہات کو پھر حقیقت سے ہٹا کر فریب و مغالطہ کی ٹھوکروں میں ڈال دے گی اور جو وعدہ اس نے نزع کی حالت میں کیا تھا وفا نہ ہو سکیگا۔ زندگی کی دلچسپیاں انسانی دل و دماغ کو ماؤف کرنے کی اس قدر طاقت رکھتی ہیں کہ کوئی یقین ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ہم جانتے ہیں کہ دادِ عیش دینے سے صحت خراب ہو کر زندگی موت سے بدتر ہو جاتی ہے مگر فردوسِ گوش اور جنت نگاہ میں پہنچتے ہی ہم از خود رفتہ ہو جاتے اور ہر حقیقت کو ٹھکرا کر دادِ عیش دینے لگتے ہیں کیوں؟ اس لئے نہیں کہ یقینی نتیجہ کا کوئی عمیق ترین اعتقاد بھی ہمارے جذبات میں زندہ نہیں بلکہ "نسیہ" کو "نقد" پر ترجیح نہ دینے کا جو مالیخولیا گوناگوں انجذابات نے پیدا کر دیا تھا وہ حقیقت کی بجائے فریبِ نظر کو بوسہ دینا ہی پسند کرتا ہے اور یوں وہ تمام یقینات علمی دنیا میں بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں جن کو جمالیاتی موثرات اور نفسیاتی انجذابات کی قید و بند سے باہر آکر ہم پوری طرح محسوس کرتے اور رنج و تاسف کے عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں یہ ہی وہ نکتہ ہے جس کا قرآن نے ذکر کیا اور یہ ہی وہ کشف ہے جو موت کے وقت محسوس ہوتا اور زندگی میں فراموش ہو جاتا ہے۔ حقیقت کا منظر نہ سامنے آتا ہے نہ فراموش ہوتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ کسی نہ کسی حد تک اس مسئلہ پر جو کچھ عرض کر چکا ہوں وہ کافی ہوگا لیکن اگر کسی علمی تنقید نے مجبور کیا تو دوسرے پہلو بھی روشنی میں لانے کی کوشش کروں گا۔

(باقی دارد)

© rasailojaraid.com